قیدی کے حق وظیفہ زوجیت کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر محمد اعجاز
شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

انسان دنیا میں مختلف تعلقات کے حوالے سے اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ انسان کا ایک تعلق اپنے رب سے ہے اور دوسرا تعلق دوسرے انسانوں سے ہوتا ہے۔ اسلام ہمیں ہر تعلق سے متعلق واضح ہدایات فراہم کرتا ہے کہ ہمیں اس تعلق کو کیسے نبھانا ہے اور اس حوالے سے کیسے زندگی گذارنی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی پابندی سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی صحیح رخ پر گامزن رہتی ہے۔ معاشرہ بگاڑ اور بدامنی سے محفوظ رہتا ہے۔ آخرت میں جزا و سزا پر یقین بندے کو شریعت کا پابند بناتا ہے۔ مگر تمام سزائیں آخرت تک مؤخر نہیں کر دی گئیں بلکہ ایسے تمام اعمال، جن کے ارتکاب سے انسان اور اللہ، انسان اور انسان، فرد اور اجتماعیت کے صحیح تعلق کو نقصان پہنچے، کے مرتکب افراد کے لیے دنیا میں بھی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ یہ سزا قتل، کوڑے، جلاوطنی، مار پیٹ، جرمانے اور قید کی صورت میں دی جاتی ہے۔ ان سزاؤں میں سزائے قید بہت اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ زیادہ تر مقدمات میں چاہے دیوانی ہوں یا فوجداری قید کی سزا دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ملزم کو جرم کے ثبوت یا بری ہونے تک حوالاتی قید بھگتنا پڑتی ہے۔

موجودہ دور میں حقوق انسانی کی بحث کے تناظر میں قیدیوں کے حقوق پر بھی بہت بات ہو رہی ہے کہ قیدیوں کو کون کون سے حقوق ملنے چاہییں اور کون سے نہیں۔ ان میں ایک اہم مسئلہ شادی شدہ قیدیوں کو وظیفہ زوجیت ادا کرنے کا حق دینے یا نہ دینے کا ہے۔ حال ہی میں پاکستان کی ایک صوبائی حکومت (صوبہ سرحد) نے لمبی قید پانے والے قیدیوں کی بیویوں کو ہر چھ ماہ بعد ایک ہفتہ شوہر کے پاس رہنے کا موقع دینے کے فیصلہ کا اعلان کیا ہے۔ اس مضمون میں قیدیوں کے وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے حق کی شرعی حیثیت پر بحث کی جائے گی کہ قیدیوں کو یہ حق دیا جانا شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ شریعت میں گنجائش ہے تو جواز کے درجے میں یا وجوب کے درجے میں؟ پہلے قید کا مفہوم بیان کیا جائے کہ قید سے کیا مراد ہے؟ اس میں پابندیاں کس نوعیت کی ہیں؟ کون سے امور قید سے متعلق ہیں؟ اس کے بعد سزا کے مقاصد و اہداف پر بات ہوگی تاکہ معلوم ہو سکے کہ قیدی کو اگر کوئی حق دیا جائے تو وہ اس مقاصد کی راہ میں مزاحم تو نہیں؟ اس کے بعد ہم بحث طلب مسئلہ ''قیدی کا حق زوجیت''

پر گفتگو کریں گے۔

قید کا مفہوم

قید کے لغوی معنی بند، حبس، اسیری اور روک کے ہیں۔(۱)

عربی میں قید کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں۔ ابن منظور نے لکھا ہے:

"قالت امرأةلعائشةرضي الله عنهاافيد جملي؟ .قال ابن الاثير: أرادت انها تعمل لزوجها شيئا يمنعه عن غير من النساء" (۲)

"ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا کیا میں اپنے اونٹ کو قید کروں ابن اثیر نے کہا کہ وہ عورت اپنے شوہر کے لیے ایسا عمل کرنے کا ارادہ رکھتی تھی کہ اسے دوسری عورتوں سے روک سکے"۔

قید کا اصطلاحی معنی کسی شخص کو روکنا، اسے اپنے اوپر تصرف کرنے، دینی اور اجتماعی کاموں میں شرکت کرنے کے لیے باہر نکلنے سے منع کرنا ہے۔

امام کاسانی لکھتے ہیں:

"المحبوس ممنوع عن الخروج إلى اشغاله و مهماته وإلى الجمع و الجماعات والإعياد،تشيع الجنائزوعيادةالمرضى والزيارةوالضيافة"(۳)

"قیدی کو اپنے کام کاج، ضروری معاملات کو سرانجام دینے، جمعہ کی نماز، عیدین، جنازے میں شرکت، مریضوں کی بیمار پرسی، ملاقات کرنے اور کھانے کی دعوت پر جانے کی غرض سے باہر جانے سے روکا جائے گا"۔

قانون میں قید کی تعریف اس طرح سے کی گی ہے:

" Detention of a person's movement and liberty under the custody of another. Restraint on liberty of movement and free choice, either in a Jail or at other place like a room etc. amounts to imprisonment. (4)

کسی شخص کی حرکت کی آزادی کو دوسرے کی تحویل میں پابند کر دینا، حرکت اور اختیار کی آزادی پر جیل یا کمرہ وغیرہ میں روک لگا دینا قید کہلاتا ہے۔

جیل کے بارے میں کہا گیا ہے:

It is a place of detenction, where the inmantes are

deprived of personal liberty and voilation. (5)

جیل پابندی کی ایسی جگہ ہے جہاں قیدی اپنی شخصی آزادی اور مرضی کھودیتے ہیں۔ یوں قید کا مفہوم اس طرح ہوا کہ کسی شخص کی نقل وحرکت اور تصرف کی آزادی کو اس طرح سلب کرلینا کہ وہ باہر نہ نکل سکے اور ایک جگہ پابند کردیا جائے۔ اسے معاشرے سے کاٹ کر الگ کردیا جائے۔

سزائے قید کے مقاصد

ابتدائی زمانہ میں ستم رسیدہ اور متضرر اشخاص اپنا انتقام خود لیا کرتے تھے اور سزا میں انتقالی جذبہ کار فرما ہوتا۔ اس کے بعد انسانی رویہ میں تبدیلی واقع ہوئی اور سزا کا مقصد زجر وتوبیخ ٹھہرا کہ مجرم کو سختی برداشت کرنی پڑے اور معاشرے کے دوسرے افراد کو تنبیہ ہو، تاکہ وہ جرم کے ارتکاب سے باز رہیں۔ دور جدید میں سزا بغرض اصلاح دیئے جانے کا رجحان ہے سزا اس لیے دی جائے کہ اس کے نتیجے میں مجرم کی اصلاح ہو۔ ماہرین قانون نے سزا کے چار مقاصد بیان کیے ہیں۔(٦)

۱۔عبرت(Deterrance) ۲۔انسداد جرائم(Prevention)

۳۔اصلاح مجرم(Reformation) ۴۔انتقام(Retribution)

اس سے سزا کے مندرجہ ذیل اہداف متعین ہوتے ہیں:

۱۔ مجرم عارضی طور پر یا مستقلاً تکرار جرم پر قادر نہ رہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سزا کا عمل مجرم کے جسم پر ہو۔

۲۔ سزا بھگتنے کے نتیجہ میں مجرم کے اخلاق کی اصلاح عمل میں آئے اس کے لیے لازمی ہے کہ سزا کا اثر دماغ پر ہو کہ وہ مجرمانہ ذہنیت بدل لے۔

۳۔ ضرر رسیدہ شخص کی تسکین ہو۔ دوسری صورت میں اس کے اندر انتقامی جذبات بھڑکتے رہیں گے جو اسے جرم پر آمادہ کرسکتے ہیں۔

۴۔ سزا کے ذریعے معاشرے کے اخلاقی احساسات کو بلند کیا جائے۔(٧)

علمائے اسلام نے تعزیری سزا کے مندرجہ ذیل اہداف بیان کیے ہیں۔

۱۔زجر وتوبیخ

زجر کے معنی دھمکانا، منع کرنا اور روکنا ہے۔ مجرم کو عادی مجرم بننے یا جرائم میں حد سے گذرنے سے روکنا اور غیر مجرم کے لحاظ سے زجر کے معنی اسے ارتکاب جرم سے روکنا ہے۔

”التعزیرتأدیب دون الحدوداصله من العزربمعنی الرد والردع .....والمقصود منه الزجر“(٨)

''تعزیر کی اصل عذر ہے جس کے معنی روکنے اور باز رکھنے کے ہیں اور اس سے مقصود زجر ہے''

بہوتیؒ حدود کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مقرر شدہ سزاؤں کو حدود کا نام ہی اس لیے دیا گیا:

''لانهاتمنع من الوقوع فی مثل ذلک الذنب و أن تکون سمیت بالحدود التی هی المحارم لکونها زواجر عنها'' (۹)

کیونکہ یہ اسی طرح کے گناہ میں ملوث ہونے سے روکتی ہیں اور ان کا نام حدود اس لیے ہے کہ یہ ایسے محارم ہیں کہ ان سے رکنے اور منع ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

مغنی میں بیان ہوا کہ ''ذلک یسمی تعزیر ا لأنه منع من الجنایة'' اس سزا کا نام تعزیر اس لیے ہے کہ یہ جرم سے روکتی ہے آگے بیان ہوا: '' انها عقوبة مشروعة للردع والزجر کہ اس کی مشروعیت کا مقصد روکنا اور دھمکانا ہے''۔(۱۰)

سزاؤں میں حکمت ہی یہ ہے کہ لوگوں کو تنبیہ ہو۔ انہیں جرائم کے ارتکاب سے دور رکھا جائے معاشرے کو فساد سے محفوظ رکھا جائے اور گناہوں سے پاک کیا جائے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''فاحکم سبحانه وتعالیٰ وجوه الزجر الرادعة عن الجنایات غایة الاحکام و شرعا علی اکمل الوجوه المتضمنة لمصلحة الردع والزجر مع عدم المجاوزة لما یستحقه الجانی من الردع'' (۱۱)

جرائم سے رکنے اور منع ہونے میں مصلحت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رکنے اور منع ہونے کا حکم دیا مگر ان سزاؤں میں زجر ضرورت سے متجاوز نہ ہو۔

سزا کا مقصد مجرم کو ارتکاب جرم سے باز رکھنا ہے اس لیے یہ سزا اس قدر ہونی چاہیے جس سے مقصد پورا ہو جائے سزا نہ تو اس قدر کم ہو کہ مجرم ارتکاب جرم سے باز نہ آئے اور نہ اس قدر زیادہ ہو کہ جس کی ضرورت نہ ہو۔ اسی لیے قید کی سزا ضرورت کے تحت دی جائے بغیر ضرورت قید میں ڈالنے سے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۲۔ اصلاح وتربیت

شریعت نے مجرم کی اصلاح وتربیت اور اس کی ہدایت ونصیحت کو مقاصد سزا دہی میں سرفہرست رکھا ہے تاکہ مجرم محض خوف سزا کی وجہ سے جرم سے باز نہ رہیں بلکہ وہ پاکی نفس، جرم سے نفرت، خوف خدا اور حصول رضائے الٰہی کے پیش نظر ارتکاب جرم سے باز رہیں۔ ابویعلیٰ فرماتے ہیں:

''و اما التعزیر فهو تأدیب استصلاح'' (۱۲)

جہاں تک تعزیر کا تعلق ہے یہ ایسی تادیب ہے جس سے مقصود اصلاح ہوتی ہے۔ نافرمانی پر تأدیب اسی لیے ہے کہ اس کے ذریعے مجرم کی اصلاح ہو لہٰذا سزائے قید میں یہ مقصد اور ہدف سامنے رہنا چاہیے کہ عرصہ قید میں مجرم اپنی اصلاح کرے نہ جرائم کی دنیا کا بادشاہ بن کر نکلے۔ اس غرض کے لیے قیدی کو جیل میں ایسا ماحول دینا ہوگا جس میں اس کی اصلاح ہو سکے اور ان تمام امور سے دور رکھنا ہوگا جو اس کے اخلاق و کردار کو منفی انداز میں متاثر کریں۔

۳۔ انتقامی جذبہ کی تسکین

جرم افراد معاشرہ کے دلوں میں مجرم کے خلاف نفرت پیدا کرتا ہے اور مظلوم کے حق میں ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور خصوصاً متضرر کے اندر انتقامی جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ سزا درحقیقت معاشرتی ردِ عمل ہے جو سزا کی صورت میں مجرم سے انتقام لیتا ہے جس سے مظلوم کی تسلی ہوتی ہے۔ (۱۳)

سزائے قید چونکہ مجرم کو اس کے کچھ حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہے اسے قید کر کے اذیت پہنچائی جاتی ہے لہٰذا یہ بھی انتقامی جذبہ کی تسکین کا ایک ذریعہ ہے۔ مجرم کو قید کرتے وقت یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ ایسے طریقے سے قید کیا جائے کہ مضروب و متضرر کے انتقامی جذبہ کی تسکین ہو۔

قیدی کے حق وظیفہ زوجیت کی شرعی حیثیت

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ قید سے مراد کسی شخص کی نقل و حرکت پر پابندی لگانا اور اس کی آزادی کو سلب کر لینا کہ وہ باہر نہ نکل سکے اس کے علاوہ اس کو معاشرے سے الگ کر دینا کہ وہ مختلف معاشرتی اجتماعات و روابط اور اجتماعی عبادات میں شریک نہ ہو سکے۔ ان تمام پابندیوں کا مقصد انہیں محرومی کا احساس دلا کر سزا دینا ہے۔ کیونکہ جب انسان کو آزادی پر روک لگا دی جائے اور اسے لوگوں سے میل ملاپ سے منع کر دیا جائے تو یہ اس کے لیے تکلیف و ایذاء کا باعث ہے۔ سزا کا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ مجرم کو سختی برداشت کرنی پڑے اور معاشرے کے دوسرے افراد کو تنبیہ ہو تا کہ وہ جرم کے ارتکاب سے باز رہیں اس کے علاوہ سزا کے نتیجے میں مجرم کی اصلاح ہو آئندہ زندگی ایک صالح اور کار آمد شہری کے طور پر گذارنے کے قابل ہو سکے۔

قید کے مفہوم و مقاصد کے تناظر میں فقہاء قیدی کو اپنی بیوی کے ساتھ وظیفہ زوجیت کی ادائیگی کے حق دینے کے بارے دو آراء رکھتے ہیں۔ مالکیہ اور بعض حنفیہ کی رائے میں قیدی کو قید کے دوران بیوی سے مجامعت کی اجازت نہیں اس کی پہلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ قیدی قید کے دوران صرف ان امور کا حقدار ہے جو حوائج اصلیہ ہوں جن کے بغیر زندگی گزارنا محال ہو مثلاً رہنے کے قابل جگہ، کھانے پینے کا انتظام اور لباس وغیرہ۔ قیدی کے اس کے حق کے عدم جواز کے قائلین کے نزدیک وظیفہ

زوجیت حوائج اصلیہ میں سے نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ قید کا مقصد اسے تکلیف اور ایذا دینا ہے کہ قیدی تنگی محسوس کرے۔ تنگی اور تکلیف کا احساس دلائے بغیر سزا کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ بیوی کے ساتھ خلوت کا موقع دینا تاکہ وظیفہ زوجیت ادا کر سکے لذت کا موقع دینا ہے۔ لذت کے موقع کی فراہمی سے تنگی کا احساس جاتا رہے گا لہٰذا قیدی کو وظیفہ زوجیت کا حق دینا سزائے قید کے مقاصد کے منافی ہے اس لیے یہ ناجائز ہے۔ (۱۴)

اکثر حنفیہ اور حنابلہ کی رائے میں قیدی کو اپنی بیوی کے حق زوجیت کی ادائیگی سے نہیں روکا جائے گا اور قیدی کے لیے اس بات کو ممکن بنایا جائے گا کہ وہ اپنی بیوی سے خلوت میں مل سکے قیدی کو جس طرح پیٹ کی شہوت پوری کرنے کی اجازت ہوتی ہے اسی طرح جنسی شہوت کی تکمیل کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔ بعض فقہاء نے اس حق کو مناسب انتظام ہونے کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ اگر قیدی کو بیوی کے ساتھ خلوت فراہم کرنے کا مناسب انتظام موجود ہو تو قیدی کو حق حاصل ہوگا ورنہ نہیں۔ (۱۵)

اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اپنی جیلوں کی اصلاح کے بارے میں سفارشات میں اس امر کی سفارش کی ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر قید میں ہو اور اس کی قید کی مدت چھ ماہ سے زائد ہو تو ہر چھ ماہ بعد اسے چند روز کے لیے پیرول پر رہا کیا جائے یا اس کی بیوی کو چند روز کے لیے شوہر کے ساتھ جیل میں ٹھہرنے کی اجازت دی جائے اس مقصد کے لیے جیل میں فیملی کوارٹرز کا مناسب انتظام کیا جائے۔ (۱۶)

اس کی دلیل حضرت عمرؓ کے فعل میں بھی ملتی ہے کہ حضرت عمرؓ مدینہ میں رات کو حسب معمول گشت پر تھے کہ آپ کے کانوں میں ایک عورت کے اشعار کے الفاظ پڑے جو اس نے اپنے شوہر کے فراق میں کہے تھے۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ اس کا شوہر جہاد پر گیا ہوا ہے۔ آپ نے حضرت حفصہؓ سے پوچھا کہ ایک عورت اپنے شوہر کے بغیر کتنا عرصہ رہ سکتی ہے؟ حضرت حفصہؓ نے حیرانی سے پوچھا آپ جیسا شخص مجھ سے ایسا سوال کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے اس لیے پوچھا کہ اس کے ساتھ بہت سوں کا معاملہ متعلق ہے۔ پھر حضرت حفصہؓ نے جواب دیا کہ عورت چھ ماہ تک صبر کرسکتی ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر نے حکم جاری کر دیا کہ کوئی مجاہد چھ ماہ سے زیادہ عرصہ گھر سے دور نہ رہے۔ (۱۷)

مجاہد کی بیوی کی ضروریات کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے شوہر کے لیے حکم جاری فرمایا کہ وہ چھ ماہ سے زیادہ بیوی سے دور نہ رہے تو قیدی کی بیوی کے حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے قیدی کو بیوی کے ساتھ وقت گذارنے کا حق دیا جانا چاہیے۔

مندرجہ بالا آراء و دلائل کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک قیدی کے بیوی کے

ساتھ حق مجامعت کی نفی کرنے والوں کے دلائل کا تعلق ہے کہ قیدی سے بیوی کی ملاقات کا موقع دینا قید کے مقاصد کے منافی ہے جن کے مطابق قیدی تکلیف وایذاء کا مستحق ہے اور اسے بیوی سے ملاقات کا موقع دینا اسے لذت کا موقع دینا ہے جو قید کے مقاصد کے منافی ہے۔ اس کے بارے میں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ کسی فرد کو پابند کر دیا بذات خود بہت بڑی سزا ہے اگر کسی شخص کو ایک جگہ پابند کر دیا جائے اور دنیا کی آسائشیں دے دی جائیں تب بھی وہ تکلیف وتنگی محسوس کرتا ہے یہی قید کا مقصد ہے۔

اگر کہا جائے کہ شوہر کا بیوی سے وظیفہ زوجیت حوائج اصلیہ میں سے نہیں یہ درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ دو طرح کی شہوتیں وابستہ کی ہیں۔ ایک پیٹ کی شہوت جس کے نتیجے میں بھوک لگتی ہے، کھانے پینے کی خواہش ہوتی ہے اور دوسری جنسی شہوت ہے اگر اس خواہش کو جائز طریقے سے تکمیل کے مواقع نہ فراہم کیے جائیں تو انسان بے راہروی کا شکار ہوتا ہے۔ اس لیے قیدی کو جس طرح پیٹ کی شہوت کی تکمیل کی اجازت ہوتی ہے اسی طرح اسے جنسی شہوت کو جائز طریقے سے پورا کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

مزید یہ کہ جرم مرد نے کیا ہے۔ بیوی کو سزا کیوں ملے؟ بیوی کا حق بنتا ہے کہ شوہر اس کے حقوق ادا کرے۔ مرد جب حقوق زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہوگا تو بیوی اس بنیاد پر تنسیخ نکاح یا خلع کا دعویٰ دائر کرسکتی ہے۔ جس میں مضرتیں قیدی کو وظیفہ زوجیت ادا کرنے کا حق دینے سے زیادہ ہیں۔ اس کی نسبت بہت آسان اور ممکن ہے کہ قیدی اور اس کی بیوی کو خلوت مہیا کر دی جائے۔

اس بات پر فقہاء کے درمیان اتفاق ہے قیدی اگر نکاح کرے تو اس کا نکاح کرنا درست ہے۔ اس کا نکاح منعقد ہو جائے گا، صحیح ہوگا اور نافذ بھی ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں اہلیت تصرف پائی جاتی ہے اور اس کے تصرفات درست طور پر منعقد ہوتے ہیں۔ جب اسے نکاح کا حق حاصل ہے تو اس نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والے شوہر کے بیوی پر حق اور بیوی کے شوہر پر حق کی تکمیل کے لیے موقع فراہم کرنا درست اور جائز ہے۔ وہ نکاح کرسکتا ہے تو اسے بیوی سے خلوت میں ملنے کی اجازت بھی ہونی چاہیے۔

سزا کے مقاصد کے حصول کے لیے بھی قیدی کو وظیفہ زوجیت ادا کرنے کا حق دیا جانا چاہیے سزا کا ایک مقصد قیدی کی اصلاح اور تربیت بھی ہے۔ قیدی کو بیوی سے ملاقات کا موقع نہ دینا اسے بد اخلاقی اور بے راہروی میں مبتلا کر دیتا ہے جس کے شواہد ہمیں آج کل جیل میں عام نظر آتے ہیں۔ قیدی کی اصلاح اور اسے اچھا انسان بنانے کے لیے اسے اچھا ماحول دینا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ اسے ان تمام امور سے دور رکھنا ہوگا جو اس کا اخلاق بگاڑے۔ قیدی کو بیوی کے ساتھ خلوت کا موقع نہ

دینا اسے اس فطری جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے غلط طریقہ اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر عمل کرتے ہوئے صوبہ سرحد کی حکومت کی تقلید میں لمبی سزا کاٹنے والے قیدیوں کو اپنی بیویوں کے ساتھ خلوت میں ملنے کا انتظام کرے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ ماہرین طب، نفسیات، انسانیات اور علماء پر مشتمل بورڈ بنائے جو طے کرے کہ قیدی کو کتنی مدت کے بعد اپنی بیوی سے ملنے کا موقع دیا جانا چاہیے، نہ تو قید کے مقاصد پر حرف آئے اور نہ مرد و عورت بد اخلاقی میں مبتلا ہوں۔

حوالہ جات

۱۔ فیروز اللغات، ص ۸۶۵؛ جامع اللغات، ۴/ ۳۹

۲۔ لسان العرب، ۸/ ۳۶۷

۳۔ بدائع الصنائع، ۷/ ۱۴۲

۴۔ Handbook of Legal Terms and Phrases, P-220

۵۔ Encyclopaedia of Religion of Ethics, Vol-x, P-338

۶۔ Salmond's Jurisprudence, P-64-65

۷۔ مبادی قانون فوجداری، ص ۵۶۔۴۷

۸۔ شرح فتح القدیر، ۵/ ۱۱۲

۹۔ کشاف القناع، ۶/ ۷۷

۱۰۔ المغنی، ۱۰/ ۳۴۴، ۳۴۲

۱۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶/ ۱۴

۱۱۔ الاحکام السلطانیہ، ص ۲۹۳

۱۳۔ التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ، ۲/ ۱۸، ۱۷

۱۴۔ تبصرۃ الحکام، ۲/ ۲۰۵؛ حاشیہ ابن عابدین؛ ۵/ ۳۷۷، فتح القدیر، ۵/ ۴۷۱

۱۵۔ حاشیہ ابن عابدین، ۳/ ۴۳۳؛ ۵/ ۳۷۷؛ فتح القدیر، ۵/ ۴۷۱؛ المغنی، ۷/ ۳۵، ۳۴

۱۶۔ سالانہ رپورٹ اسلامی نظریاتی کونسل، ۸۲۔۱۹۸۱ء، ص ۶۳

۱۷۔ المغنی، ۷/ ۳۱

کتابیات

۱۔ ابن عابدین، محمد امین، حاشیہ رد المختار علی الدر المختار، المکتبۃ التجاریۃ مصطفٰی احمد الباز، مکۃ المکرّمۃ، ۱۳۸۶ھ

۲۔ ابن فرحون، ابراہیم بن علی بن ابی القاسم بن محمد المالکی، تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناہج الاحکام علی ہامش فتح العلی المالک لأبی عبد اللہ محمد احمد علیس، مصطفٰی البابی الحلبی واولادہ بمصر، ۱۹۵۸ء

۳۔ ابن قدامۃ، ابو محمد عبد اللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض، ۱۹۸۱ء

۴۔ ابن منظور الافریقی، لسان العرب، طبعۃ جدیدۃ محققۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء

۵۔ ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، شرح فتح القدیر، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، بمصر (س۔ن)

۶۔ ابو یعلی، محمد بن الحسن الفراء الحنبلی، الاحکام السلطانیۃ، مطبعۃ مصطفٰی البابی الحلبی واولادہ بمصر، ۱۹۸۷ء

۷۔ البھوتی، منصور بن یونس، کشاف القناع عن متن الاقناع، مکتبۃ النصر الحدیثۃ الریاض، (س۔ن)

۸۔ سالانہ رپورٹ اسلامی نظریاتی کونسل، ۸۲۔۱۹۸۱ء حکومت پاکستان، اسلام آباد

۹۔ سی۔ ایس کمپنی، مبادی قانون فوجداری، (مترجم حسین علی مرزا، مسعود علی) جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۹۴۵ء

۱۰۔ عبدالعزیز عامر، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ، (مترجم ساجد الرحمٰن کاندھلوی)، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۴ء

۱۱۔ عبدالمجید خواجہ، جامع اللغات، ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور، (س۔ن)

۱۲۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، نیا ایڈیشن، فیروز سنز، لاہور

۱۳۔ الکاسانی، علاء الدین ابوبکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مکتبۃ رشیدیہ کوئٹہ، ۱۴۱۰ھ

۱۴۔ وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، دمشق، ۱۹۸۴ء

۱۵۔ A.R. Sarkar, Summary of Salmond's Jurisprudence, Lahore

۱۶۔ M. Ilyas Khan, Hand Book of Legal Terms and Phrases, Karachi, 1968

۱۷۔ James Hastings, Encyclopaedia of Religion and Ethics, New York, 1930